ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی☆

شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں

بالائے سرش زہوشمندی

عصر حاضر کے نامور ادیب ونقاد ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی کے قلم سے مشاہیر اہل سنت کی یادوں کا سلسلہ

۴؍جولائی ۲۰۱۰ء کو تقریباً اڑتالیس برس کے بعد فون پر میری گفتگو ایک ایسے المعی ولوذعی بزرگ سے ہوئی جو شیخ الاسلام، مفسر قرآن اور رئیس المحققین جیسے القاب وخطابات سے یاد کیے جاتے ہیں، جن کو ہم دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور کے زمانہ طالب علمی میں ''مدنی میاں'' کہتے تھے- آج بھی میری زبان اسی مختصر سے نام سے شادکام ہے اور میں اپنی یادوں کی پرتیں اسی نام سے کھولنا پسند کروں گا- جن لوگوں نے شیخ الاسلام اور مفسر قرآن والا زمانہ پایا ہے وہ مجھے یہ جان کر معذور سمجھیں کہ میں اس دور کی بات کر رہا ہوں جب یہ خطابات ہنوز آں موصوف کی پیشانی علم وفضل کے نہاں خانے میں محفوظ تھے-

خدا بھلا کرے محترم مولانا قمر احمد اشرفی کا، ۴؍جولائی کو وہ دہلی میں موجود تھے، فون پر گفتگو ہوئی اثناء گفتگو سید التفاسیر کا ذکر آ گیا، میں نے کہا اس کے دو حصوں کی زیارت عزیز گرامی مولانا خوشتر نورانی کے دفتر میں ہوئی ہے، حاصل کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ مولانا قمر نے کہا کہ آپ اپنا پوسٹل ایڈریس ایس ایم ایس کر دیجیے حیدرآباد پہنچ کر دونوں حصے بھجوانے کی صورت نکالوں گا معاً انہوں نے کہا کہ شیخ الاسلام ان دنوں اپنے وطن مالوف کچھوچھہ مقدسہ میں ہیں اگر ان سے رابطہ ہو جائے تو اس کی حصولیابی جلد سے جلد ممکن ہو جائے گی، پھر انہوں نے کہا کہ آپ میرے فون کا انتظار کیجیے- تھوڑی دیر کے بعد مولانا نے کہا کہ شیخ الاسلام کا موبائل نمبر ایس ایم ایس کر رہا ہوں، آپ ان سے بات کر لیجیے وہ آپ کے فون کا انتظار کر رہے ہیں- میں نے مرسلہ نمبر ڈائل کیا، گھنٹی ہوئی اور پھر وہی آواز وہی طرز تخاطب وہی لہجہ جو میرے حافظہ میں محفوظ تھا، فردوس گوش بن گیا، مجھے بالکل ہوش نہیں رہا کہ میں ایک ایسی شخصیت سے ہم کلام ہوں، جس کے آگے بالاؤں کی بالائی اور داراؤں کی دارائی سرنجم ہے، علما ومشائخ اور فضلائے وقت جس کے آگے زانوئے ادب تہ کرتے ہیں، مگر میرے لیے زمانہ طالب علمی کی اس فضا سے باہر نکلنے کا کوئی جواز نہیں تھا جو میری علمی وادبی زندگی سے عبارت تھی- میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ شیخ الاسلام نے بھی اپنے عہد رفتہ کو آواز دے لی تھی اب وہ عالم خیال میں ۶۵ سے زائد کے نہیں، بلکہ ۲۲ سے کم عمر کے تھے، اب کیا کہوں میرا کیا حال تھا:

لب گزیدی ومن از ذوق فتادم مدہوش
با تو ایں کیفیت بادہ ندانم کہ چہ کرد

ورنہ حال دیگراں تو یہ ہے کہ جب منازل ترقی طے کر کے بام عروج پر پہنچ جاتے ہیں تو زمین کی شئی مرئی بہت چھوٹی نظر آنے لگتی ہے- میرا برسوں کا ساتھ ایک ایسے قائد ملت سے رہا ہے جو پارلیمنٹ کے رکن کیا ہوئے، انہیں ہر کس وناکس بونا نظر آنے لگا، ایک دن انہیں کے حسب حال یہ دو شعر ارتجالاً کہہ کر میں ان کی میز پر رکھ آیا:

ہم بہت چھوٹے نظر آنے لگے
اتنا اونچا آپ کا سر ہو گیا
بڑھتے بڑھتے اک طلسم معصیت
قد آدم کے برابر ہو گیا

سنا تھا کہ مولانا نے ان اشعار کا مخاطب کسی اور کو سمجھ کر خوب داد دی تھی-

ہاں تو میں نے مدنی میاں سے کہا کہ جام نور میں میری تحریریں چھپتی رہتی ہیں، ممکن ہے کبھی کبھی آپ کی نظر سے...... ابھی جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ ارشاد ہوا ''ممکن نہیں واقع ہے اور کبھی کبھی نہیں یہی ایک رسالہ ہے جسے میں اول سے آخر تک پڑھتا ہوں-'' پہلے جملے میں میرے لفظ ''ممکن'' کو انہوں نے ''واقع'' سے بدل کر جو معنویت پیدا کر دی اس کی بلاغت کو کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کے ذہنوں میں ممکن ممتنع اور واجب کی اصطلاح محفوظ ہوگی، ممکن کے دونوں برابر کے

☆Tibbiya College, Principle Kothi, Karol Bagh, New Delhi

پہلوؤں میں لفظ "واقع" نے جو ایک طرف کا پلہ جھکا دیا ہے اور صرف چار حرفی لفظ (واقع) نے شرر مصباحی کی جو حوصلہ افزائی فرمائی ہے اس کے لیے اس بندۂ آثم کے پاس تشکر کے الفاظ نہیں ہیں اور دوسرے جملے نے تو ماہنامہ جام نور کی مقبولیت اور معتبریت پر گویا مہر لگا دی ہے، شیخ الاسلام والمسلمین کے اس دوسرے جملے کو کل الصید فی جوف الفراء کی روشنی میں ملاحظہ کیا جانا چاہیے۔

آگے ارشاد ہوا "ماشاء اللہ آپ نے بہت ترقی کی ہے۔" یہ جملہ سن کر میری آنکھ بھر آئی کاش اس کی جگہ حضرت نے دعائیہ جملہ استعمال کیا ہوتا جو میری ترقی کا ضامن ہوتا۔ کہاں مدنی میاں، حضور محدث اعظم کی تربیت، حضور حافظ ملت کی خصوصی توجہ اور اپنی سعی مشکور سے شیخ الاسلام والمسلمین کے عرش پر متمکن اور کہاں شرر مصباحی، خاک افتادہ، علائق دنیا میں گرفتار بھی دم بھر کر بست اٹھانے کی جرأت بھی کی تو نتیجہ معلوم:

دی سرو بقد تو تحشم می کرد
تقلید قد تو پیش مردم می کرد
شد تند نسیم، الالہ سر جنبانید
خندید گل، و غنچہ تبسم می کرد

سید التفاسیر کا ذکر آیا تو ارشاد ہوا "مبارک پور سے کوئی کچھوچھہ آئے تو ہاتھ کے ہاتھ لے جائے اور لکھنؤ سے حاصل کرنے میں سہولت ہو تو عربی میاں کے یہاں بھجوا دوں۔" ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی ملی کی سید التفاسیر کے تین حصے شائع ہو چکے ہیں۔

○

ہاں تو میں طالب علمی کے دور کی بات کر رہا تھا، مدنی میاں ہم سے ایک جماعت اوپر کے طالب علم تھے، ان کی جماعت کے دیگر ذہین طلبہ میں (مولانا) مشہود رضا خان ابن شیر بیشۂ اہل سنت اور (مولانا) محمد نعمان خاں وغیرہ تھے اور میں (مولانا) ثناء المصطفیٰ امجدی ابن صدر الشریعہ اور (مولانا) عبدالقدوس مصباحی وغیرہ کا ہم سبق تھا، مدنی میاں اپنی جماعت کے طلبہ میں کئی اعتبار سے منفرد تھے، کم گو تھے، کام سے کام رکھتے تھے، طلبہ کے باہمی مناقشات سے دور رہتے تھے، اپنے کمرے میں دیوار پر اپنے مشاغل کا نظام الاوقات چسپاں کر رکھا تھا، اس پر وہ سختی سے عامل تھے، اس کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ دوسرے طلبہ ان اوقات میں تضیع اوقات نہیں کرتے تھے، بلکہ گمان غالب ہے کہ اسی مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لیے یہ حکمت عملی اختیار کی گئی تھی، مدرسہ کے اوقات درس سے فارغ ہو کر ہم بالعموم مولانا شمس الحق صاحب (استاذ فارسی) کی درسگاہ میں جمع ہوتے، مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی، طبعی مناسبت کی وجہ سے میں انہیں حضرات کے ساتھ زیادہ وقت گزارتا۔ مشہود رضا خان اور نعمان خاں کے مزاج میں حدت تھی، ایک دن نعمان خاں نے کہا کہ علامہ شبلی نعمانی کی تحریروں میں جو فصاحت، سلاست اور روانی ہے وہ اعلیٰ حضرت کی تحریروں میں نہیں ہے، یہ سننا تھا کہ مشہود رضا خاں آپے سے باہر ہو گئے، آسمان سر پر اٹھا لیا، بڑی مشکل سے معاملہ رفع دفع ہوا، انہیں کے ساتھیوں میں صبیحہ ضلع بارہ بنکی کے قاری شبیر احمد تھے، بالکل گاؤ تھے، مدنی میاں وغیرہ جب مزاحیہ موڈ میں ہوتے تو یہی حضرت تختۂ مشق بنتے، مگر کبھی خفگی کے آثار ان کے چہرے سے ظاہر نہیں ہوتے۔

ایک دن نعمان خان نے کہا، علامہ اقبال سہیل کا کلام ہر اعتبار سے اصغر گونڈوی کے کلام سے فصیح و بلیغ ہے۔ میں نعمان خاں کی بات سے متفق نہیں تھا، بحث ہوتی رہی معاملہ علامہ نیاز فتحپوری کے کورٹ میں پہنچا، یہ خط میری تحریر میں نعمان خاں کا ڈکٹیٹ کرایا ہوا تھا، ہفتہ عشرہ کے بعد نیاز صاحب نے اسی خط کو اس ریمارک کے ساتھ واپس کر دیا کہ اقبال سہیل اصغر گونڈوی سے زیادہ پڑھے لکھے تھے لیکن اصغر گونڈوی کے کلام میں سہیل سے زیادہ تغزل پایا جاتا ہے، یہ خط میرے پاس محفوظ ہے۔ نعمان خاں زمانۂ طالب علمی میں بڑے گرم جوش تھے، اپنے گروپ کے لیڈر تھے۔ وقت گزرتا گیا، ان میں تبدیلیاں آتی گئیں، سیئات حسنات میں تبدیل ہوتے رہے اور آخر عمر میں تو کہا جاتا ہے کہ وہ مرتبہ ولایت پر فائز ہو گئے تھے، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ یہی حال میرے ہم سبق (مولانا) ثناء المصطفیٰ کا بھی تھا وقت کے ساتھ ساتھ نیک سے نیک تر ہوتے گئے۔ تقویٰ شعار دنیا بیزار، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

○

ہمارے دور طالب علمی میں ہر جمعرات کو نماز عشاء کے بعد مشقی جلسہ ہوا کرتا تھا کہ طلبہ کی جھجک دور ہو اور خطابت میں ملکہ پیدا ہو، یہ پروگرام اشرفیہ کے کسی نہ کسی استاذ کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے مدنی میاں نے کسی ایک پروگرام میں بھی حصہ نہیں لیا۔ بھی

شرکت بھی کی تو شدت سعال وغیرہ کا عذر کر کے بیٹھ رہے، قاری محمد یحییٰ صاحب کو اس کی خبر ہوئی تو انہیں بڑا دکھ ہوا، حضور محدث اعظم سالانہ جلسہ میں تشریف لائے تو قاری صاحب نے ان سے عرض کیا کہ حضور ایک بات کہنا چاہتا ہوں اسے شکایت پر محمول نہ فرمائیں، محدث اعظم نے فرمایا کہیے، شکایت بھی ہوگی تو سنی جائے گی، قاری صاحب نے عرض کیا کہ شہزادے مشقی جلسہ میں شرکت نہیں کرتے جس کا مجھے دکھ ہے۔ محدث اعظم نے فرمایا: ''میاں مچھلی کے بچے کو تیرنا نہیں سکھاتے۔'' آج جب میں اس جملے کو یاد کرتا ہوں تو محدث اعظم کا یہ قول پیش گوئی کی صورت میں نظر آتا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ اشرفیہ سے فراغت کے بعد مدنی میاں نے اپنی خطابت کا لوہا بڑے بڑے سحبان وقت سے منوالیا۔

○

مدنی میاں زمانۂ طالب علمی میں بھی شعر وسخن کا بڑا ستھرا ذوق رکھتے تھے۔ مبارک پور کے مشاعروں میں بالخصوص بکھری کی بزم مقاصدہ میں اکثر اپنا کلام پڑھواتے تھے، یہ مقاصدہ طرحی ہوتا تھا، حضرت مولیٰ علی کے یوم پیدائش ۱۳ رجب کے موقع پر یہ بزم حکیم عبدالمجید کی نگرانی میں منعقد ہوتی تھی، مدنی میاں کا کلام سید احمد حسین کوثر (برادر خورد اشرف العلماء) اور میرا کلام سید رئیس احمد (جو ان دنوں رائے پور میں ہیں) یا نذیر احمد قوال مبارکپوری پڑھتے تھے، احیاء العلوم مکتب فکر کے مولانا محمد عثمان ساحر مبارک پوری کا کلام امتیاز احمد اعظمی (جو ساغر اعظمی کے نام سے شہرت کے حامل ہوئے) پڑھتے تھے، ایک سال کا مصرع طرح تھا:

دل مرا شمع رخ حیدر کا پروانہ بنا

اس بزم مقاصدہ کا سہرا مدنی میاں کے سر رہا، ان دنوں سب سے زیادہ توجہ تضمین پر دی جاتی تھی، مجھے مدنی میاں کی تضمین یاد نہیں رہی، اتنا یاد ہے کہ موضع املو کے میر صاحب جو غالب کے نوحہ گر (مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں) کی طرح داد گر تھے، وہ شعر سن کر ہاتھ اٹھا اٹھا کر گلا پھاڑ کر داد دیتے ہوئے اسٹیج کی طرف کھسکتے جاتے، حاضرین ان سے اچھی طرح واقف تھے، ان کے لیے طوعاً یا کرہاً گنجائش پیدا کرتے جاتے اور تھوڑی دیر میں وہ اسٹیج کے قریب پہنچ جاتے، اس دن بھی ایسا ہی ہوا، مدنی میاں کا کلام پڑھا جارہا تھا، وہ املو سے آگئے، ایک کنارے بیٹھے رہے اور اچک اچک کر داد دیتے دیتے ابھی کلام ختم نہیں ہوا تھا کہ آپ اسٹیج کے قریب پہنچ گئے۔

○

غالباً ۱۹۵۹ء کی بات ہے میرے خوش عقیدہ پڑوسی جناب محمد احمد صاحب کے ایک رشتہ دار تازہ تازہ دارالعلوم دیوبند کی ہوا کھا کر آئے تھے، طبیعت باڑھ پر تھی، یہ جہانا گنج کے رہنے والے تھے رسمی تعارف کے بعد انہوں نے علم غیب رسول کی بحث چھیڑ دی آیات و احادیث سے نفی علم غیب کے دلائل پیش کرنے لگے، میں نے جواب دینا شروع کیا، محمد احمد صاحب نے کہا کہ اس طرح کی بحث سے تلخی بڑھنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا، سوال جواب تحریری ہونا چاہیے، صاحب خانہ کی اس بات سے ہم دونوں نے اتفاق کیا، میں نے کہا کہ میں چند سوالات حفظ الایمان کے تعلق سے مرتب کرتا ہوں، آپ جواب لکھ کر محمد احمد صاحب کے یہاں بھجوادیں، انہوں نے کہا کہ سوال کی ابتدا میری طرف سے ہوئی ہے، اس لیے سوالات میں مرتب کروں گا۔ میں نے کہا چلیے یوں ہی سہی، پھر انہوں نے پانچ چھ سوالات کی فہرست مرتب کر کے مجھ سے کہا کہ اس کا جواب تحریر کر کے محمد احمد صاحب کو دے دیجئے۔ یہ مجھ تک پہنچادیں گے۔ میں نے وہ رقعہ مدنی میاں کو دکھایا، انہوں نے سوالات کے مدلل جوابات تحریر کیے، میں نے محمد احمد صاحب کے ذریعے یہ تحریر جہانا گنج بھجوادی، دس پندرہ دنوں کے بعد جواب آگیا، میں نے وہ جواب مدنی میاں کی خدمت میں پیش کیا، اب کے جواب الجواب کے ساتھ کچھ سوالات قائم کر کے حریف کو دفاعی پالے میں لا کھڑا کیا گیا پھر ادھر سے کوئی جواب نہیں آیا، مدنی میاں نے کہا کہ مناظرے میں دفاعی پوزیشن میں نہیں رہنا چاہیے، اب جو انہیں اپنا دفاع کرنے پر مجبور کر دیا گیا تو وہی ہوا جس کی امید تھی۔

○

انہیں دنوں فارسی کی درس گاہ میں ہم بیٹھے ہوئے تھے کسی نے کہا کہ ملاحسن کو کتنی طرح سے پڑھا جاسکتا ہے، ایک نے کہا ملاحسن (ملا حُسن) دوسرے نے کہا ہمزہ کا شمار اعداد میں نہیں ہوتا، اس کو ملاَّ حسن بھی پڑھا جاسکتا ہے (ملاَّ حُسن) مدنی میاں نے اپنے ایک ساتھی کو مخاطب کر کے کہا ملاحسن (ملاح سُن)

مدنی میاں کا خط تحریر زمانہ طالب علمی میں بھی بڑا ستھرا تھا، اناردانہ کی طرح ہر لفظ علاحدہ علاحدہ صاف صاف نظر آتا تھا۔ ایک دن فارسی کی درسگاہ میں بیٹھے بیٹھے انہوں نے کئی طرح سے اپنا نام لکھا، ان میں سے ایک دستخط ایسا تھا جس سے چڑیا کی مبہم سی شکل بن گئی تھی یہ ''سید محمد مدنی اشرفی'' سے بنی تھی، چڑیا کے پر، بازو، سر، آنکھیں، ٹانگیں غور کرنے پر سب کی جھلک محسوس ہوتی تھی، میں نے کہا میرے نام کا بھی ایسا ہی خاکہ بنا دیجئے، انہوں نے بادنی تامل اسی سے ملتا جلتا خاکہ بنا دیا، جن لوگوں نے مدنی میاں کے دستخط دیکھے ہوں گے وہ آج بھی ان کے دستخط میں ''دھڑ'' دیکھ سکتے ہیں، سر آنکھیں اور ٹانگیں جو پہلے خاکے میں محسوس کی جاسکتی تھیں، یہ سب کچھ بطور تفنن تھا، جو عادی دستخط میں باقی نہیں رہا۔

حضور محدث اعظم ہند جب دار العلوم اشرفیہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لاتے جو سالانہ امتحانات کے بعد ہوا کرتا تھا تو بالعموم خانوادے کے طلبہ کو بلا کر ان کا حال معلوم کرتے، ایک بار جلسہ کے موقع پر تشریف لائے۔ امتحان ختم ہو چکا تھا، مدنی میاں سے پوچھا، امتحان کیسا رہا؟ عرض کیا اچھا رہا، ارشاد ہوا امتحان کس نے لیا؟ عرض کیا قاضی شمس الدین صاحب نے، یہ سن کر محدث اعظم ایک دم سنجیدہ ہو گئے، فرمایا میاں قاضی شمس الدین صاحب نے امتحان لیا اور آپ کہتے ہیں اچھا رہا؟ قاضی صاحب اگر اپنی سطح سے امتحان لینے پر آجائیں تو سید محمد کو فیل کر دیں۔ اگرچہ یہ محدث اعظم کا قاضی صاحب کے لیے نثر میں قصیدہ تھا لیکن پھر بھی اس جملے کے ہر بن موسے قاضی صاحب کی عظمت علم کا اعتراف ٹپکتا ہے۔

ایک سال سالانہ جلسہ میں محدث اعظم تشریف لائے فارسی کی درسگاہ میں تشریف فرما تھے، خدمت والا میں مدنی میاں، احمد میاں، سعید احمد، ملیح اشرف اور فہیم اشرف کے ساتھ میں بھی حاضر تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا ایک پہیلی بوجھو تو جانیں'' وہ کون سا چار حرفی لفظ ہے کہ ایک حرف کم کرنے پر چار باقی رہے؟ اپنے پلے تو پڑا نہیں، مدنی میاں بھی غور و فکر کی منزل سے آگے نہیں بڑھ سکے کہ احمد میاں نے کہا حضور یہ لفظ ''چادر'' ہوسکتا ہے، یہ جواب سن کر محدث اعظم کا چہرہ کھل اٹھا اور ڈھیری دعائیں دیں۔

یادش بخیر! آج لگ بھگ اڑتالیس برس ہو گئے سوچتا ہوں مدنی میاں نے زمانہ طالب علمی میں جس توجہ اور انہماک سے تحصیل علم کی اور بزرگوں کی دعائیں ان کے شامل حال رہیں اسی کا ثمرہ ہے کہ آج وہ شیخ الاسلام والمسلمین کی حیثیت سے علمی دنیا میں پہچانے جاتے ہیں، وہی علم و فضل کا نور جو عہد طفلی سے جبین سعادت میں پنہاں تھا، ظاہر ہو کر پوری دنیا کو اجالا بانٹ رہا ہے۔ □□□

می تافت ستارۂ بلندی